ڈاکٹر شمیم طارق
استاد شعبہ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

رشید حسن خان: بحیثیت محقق و مدون

Dr. Shamim Tariq

Departement Of Urdu,International Islamic University,Islamabad

Rasheed Hasan Khan: As a Researcher and Editor

Rashid Hassan Khan was an eminent Urdu researcher, critic and scholar of classical Urdu texts. He was born in Shahjahanpur. He is known for his contribution to the field of Urdu grammar and Urdu dictionary and edited and compiled various classical texts. Khan Sahab had a classical bent of mind who considered critic at a higher pedestal than poet. He wrote several important books including Classical Urdu Farhang. His research works on Bagh-o-Bahar, Fasana-e-Ajaib, Gulzar-e-Nasim, Sehrul Bayan, Masnawiyat-e-Shauq are well-known.Rashid Hassan Khan dedicated himself to the field of research and was a meticulous researcher. For him research was painstaking task demanding patience.The distinctive feature of the his compilation is the way it has been punctuated.He was the first Urdu writer to be conferred with Raja Ram Mohan Rai award.

محققین و تدوین میں سب سے اہم مسئلہ مزاجی مناسبت کا ہے۔ اس کے بغیر نہ تو تحقیق کا حق ادا ہوتا ہے اور نہ ہی تدوین کو ٹھوس بنیادیں فراہم ہوتی ہیں۔ ترتیب و تصحیح متن کے لیے موزوں ترین شخص وہ ہے جو آدابِ تحقیق سے پوری طرح باخبر ہو اور اسے تحقیق سے مزاجی مناسبت ہو۔ گویا تحقیق کے لیے علم کا ہونا تو لازم ہے تاہم اس کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے اوّلین حیثیت مزاجی مناسبت ہی کو حاصل ہے۔

تحقیق و تدوین کے میدان میں رشید حسن خان کا نام کسی تحسین و ستائش کا محتاج نہیں ہے۔ ان کا شمار اُردو کے جدید

محققین یں ایک اہم اور معتبر نام کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ انھوں نے قدیم متون کی ترتیب و تحقیق ہی کا کام نہیں کیا بلکہ جدید تحقیق کے آداب واصول اور معیار کو بھی متعین کرنے کی کوشش کی۔ ان کے نزدیک تحقیق ایک مشکل اور ضبط و تحمل کا کام ہے جس میں جذبات و تاثرات، ذاتی پسند و ناپسند کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسا فن ہے جو گہرے مطالعے اور علمی بصیرت کا متقاضی ہے۔ اس میں محقق کو صبر سے کام لینا پڑتا ہے کیوں کہ عجلت میں غلطی کے اِمکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

رشید حسن خان کے اپنے بعض مضامین میں تحقیق کے اصولوں سے بحث کی ہے اور محققین میں معروضیت کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح وہ ان اِبتدائی محققین میں ہیں جنھوں نے تحقیق کو سائنٹفک بنیاد فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ادبی تحقیق کے ضمن میں ان کا موقف یہ ہے:

> تحقیق ایک مسلسل عمل ہے۔ نئے واقعات کا علم ہوتا رہے گا، کیوں کہ ذرائع معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کون سی حقیقت کتنے پردوں میں چھپی ہے۔ اکثر صورتوں میں ہوتا یہ ہے کہ حجابات بالتدریج اُٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیق میں اصلیت کا تعین اس وقت تک حاصل شدہ معلومات پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ واضح ہونا چاہیے کہ اس سے نئی معلومات کے اِمکانات کی نفی نہیں ہو سکتی لیکن یہ بات بھی اسی قدر وضاحت کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے کہ محض آئندہ کے اِمکانات کی بنا پر ان باتوں کو بطور واقعہ نہیں مانا جا سکتا جو اس وقت تک محض قیاس آرائی کا کرشمہ ہوں۔ (۱)

گویا تحقیق ''معلوم'' اور ''موجود'' مواد کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔ اسی لیے ادبی تحقیق میں نئی معلومات اور نئے اِنکشافات سے نئی نئی باتیں بہ امتدادِ زمان سامنے آتی رہتی ہیں جس سے قائم شدہ صورتِ حال میں اضافہ اور تبدیلی دونوں کے اِمکانات موجود ہوتے ہیں۔

تحقیق کا دارومدار حوالے و اسناد پر ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جو مواد حاصل ہو اسے خوب پرکھ لیا جائے۔ رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> تحقیق میں دعوے سند کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہوتے اور سند کے لیے ضروری ہے کہ قابلِ اعتماد ہو۔۔۔ بظاہر حالات، حوالہ، مشکوک نہ معلوم ہوتا ہو اور دلیل منطق کے خلاف نہ ہو۔ (۲)

اس ضمن میں ان کا مضمون ''غیر معتبر حوالے'' اہمیت کا حامل ہے جس میں انھوں نے حوالوں کی قبولیت کی چند شرائط بیان کی ہیں مثلاً:

روایت اور واقعے کے درمیان طویل زمانی فعل حائل نہ ہو۔

راوی غیر معتبر نہ ہو۔

روایت پر غلط فہمی، جانب داری یا اس نوع کے دوسرے اثرات کا عمل دخل نہ ہو۔

راوی کا زمانہ اگر موخر ہو تو روایت کی بنیاد اوّلین ماخذ ہو۔

رشید حسن خان کے نزدیک مشکوک حوالوں پر بھروسا کرنے سے تحقیقی عمل کی صداقت مشکوک ہو جاتی ہے۔ لہٰذا محقق کے لیے اصل ماخذ تک رسائی بے حد ضروری ہے ورنہ تحقیق میں غلطی کا اندیشہ رہے گا۔

رشید حسن خان نے حافظ محمود شیرانی کے یہاں بعض تسامحات کا ذِکر کیا ہے۔ محمود شیرانی نے اپنے تحقیقی کام میں بیاضوں کو بہ طور سند قبول کیا ہے جو رشید حسن خان کے نزدیک مشکوک ہیں، لکھتے ہیں:

> بعض اور لوگوں کی طرح شیرانی مرحوم نے بھی اپنی کتاب ''پنجاب میں اُردو'' میں بیاضوں کے حوالے دیئے ہیں، ان کی تحریروں کو پڑھ کر ہم لوگوں نے تحقیق کے آداب سیکھے ہیں اور اس لحاظ سے ان کو استاد بل کہ استاذ الاساتذہ کہنا چاہیے مگر مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے انھوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ پنجاب کو اُردو کا مولد ثابت کرنا ہے اور پھر اس طے شدہ نقطۂ نظر کے تحت انھوں نے ہر طرح کے حوالوں کو بلا تکلف قبول کر لیا۔ (۳)

رشید حسن خان تحقیق نے معاملے میں کسی مروّت یا رعایت کے ہرگز قائم نہ تھے۔ وہ حافظ محمود شیرانی کو استاذ الاساتذہ کا درجہ دیتے تھے اس کے باوجود ان کے یہاں اغلاط کی نشان دہی میں کوئی رعایت نہیں کی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اکثر ناقابلِ اعتماد حوالوں پر اعتماد کر لینے سے بہت سی غلطیاں راہ پا جانے کا قومی اندیشہ ہوتا ہے کیوں کہ بعد میں محققین اصل ماخذ کی طرف کم ہی رجوع کرتے ہیں اور ان محقّقین کے حوالوں کو بغیر تصدیق کیے درست مان لیتے ہیں۔ اس طرح تحقیقی کام میں اغلاط کا سلسلہ جاری رہنے کا اِمکان ہوتا ہے اور یہی اغلاط آئندہ کے تحقیقی کام میں سند کے طور پر نقل ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے رشید حسن خان اسناد و حوالے کو اچھی طرح چھان پھٹک کے بعد قبول کرنے کی تلقین کرتی ہیں۔

رشید حسن خان تحقیق و تدوین میں جن شخصیات سے متاثر ہیں ان میں حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی شامل ہیں۔ تدوینِ متن کے سلسلے میں وہ مولانا امتیاز علی عرشی کے بے حد مداح ہیں اور انھیں اپنا استادِ معنوی مانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> میں نے تحقیق کے اصول اور آداب سیکھے حافظ محمود خاں شیرانی کی تحریروں سے۔ اس کے بعد قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی سے استفادہ کیا اور سب سے آخر میں مولانا عرشی مرحوم سے فیض پایا، لیکن سب سے پہلے تحقیق کی طرف متوجہ کیا نیاز فتح پوری کی تحریروں نے۔ ان تحریروں نے تحقیق کی ضرورت کا احساس دلایا اور اس کی اہمیت سے آشنا کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس ذہنی کشمکش سے دوچار کیا جو مکمل تسکین اور کامل یقین کا مطالبہ کرتی ہے اور اس تشکیک سے ذہن کو آشنا کیا جو تحقیق کی بنیاد بنتی ہے۔ (۴)

مذکورہ بالا محققین سے استفادے اور مداہی کے باوجود ان محققین کے تسامحات سے صرفِ نظر نہیں کرتے بلکہ ان کی بھی گرفت کرتے ہیں۔ دیوانِ غالب نسخۂ عرشی میں ان غزلوں کی شمولیت کے ضمن میں، جو مولانا آسی کو کسی بیاض سے ملی تھیں، رشید حسن خان کہتے ہیں:

> ان غزلوں کو محض ان مجہول بیاضوں میں اندراج کی بنا پر شاملِ دیوان ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔ (۵)

رشید حسن خان نے اولین مآخذ تک رسائی کی تحقیق میں ناگزیر تصور کیا ہے وہ خود بھی جب تک سارے شواہد جمع نہ کر لیں قلم نہیں اُٹھاتے اور دیگر محققین کو بھی یہی انداز اپنانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ تحقیق کو ایک Scientific Process گردانتے ہیں، جس میں ذرا سی غلطی یا کوتاہی اصل نتائج سے دُور لے جا سکتی ہے۔ انھوں نے اخذِ نتائج میں تنقیدی تعبیر کی مخالفت کی اور ایسی تحقیق پر سوالیہ نشان لگایا جس میں کسی اَمر کو اسناد اور حوالوں کی روشنی میں پرکھے بغیر قبول کر لیا گیا ہو۔

رشید حسن خان تحقیق کو ایک جاری رہنے والا مسلسل عمل سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کلہ نئے نئے اِنکشافات کے لیے تحقیق ہر وقت اپنے دَروا رکھتی ہے۔ وہ تحقیق میں عجلت کو انتہائی مہلک تصور کرتے ہیں۔ انھیں آج کی تحقیق پر یہ اعتراض بھی ہے کہ ہر کام تحقیقی اصولوں کو نظر انداز کر کے عجلت میں کیا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

> حالات کے تقاضے کم معیاری کے اسباب تو ہو سکتے ہیں لیکن کم معیاری کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتے۔ (۶)

رشید حسن خان کے نزدیک تحقیق کی زبان صاف اور واضح ہونی چاہیے۔ اس میں ابہام کی بالکل گنجائش نہیں۔ لکھتے ہیں:

> تحقیق کی زبان کو اِمکان کی حد تک آرایش اور مبالغے سے پاک ہونا چاہیے اور صفاتی الفاظ کے استعمال میں بہت زیادہ احتیاط کرنا چاہیے، اُردو میں تنقید جس طرح انشاپردازی کا آرایش کدہ بن کر رہ گئی ہے وہ عبرت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے اور تحقیق کو اس حادثے کا نشانہ نہیں بننے دینا چاہیے۔ (۷)

رشید حسن خان تحقیق اور تنقید کو بنیادی طور پر دو مختلف موضوع مانتے ہیں۔ اسی طرح تحقیق اور تدوین بھی ان کے نزدیک الگ الگ فنون ہیں۔ ہر چند تحقیق و تدوین کی حدود کہیں کہیں مِل ضرور جاتی ہیں اور عام لوگ تدوین کو تحقیق کا جز سمجھتے ہیں، جو درست نہیں ہے۔ صورتِ حال اس سے بالکل مختلف ہے، یعنی تدوین کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ آدابِ تحقیق سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔ تحقیق کا آدمی متن کی معیاری تدوین بھی کر سکے، یہ ضروری نہیں۔ (۸)

تحقیق و تدوین کے اسی امتیاز پر ڈاکٹر اسلم پروزی، رشید حسن خان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> تحقیق اور متنی تنقید رشید حسن خان کے دو خاص میدان ہیں۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اعلا پایے کی تحقیق اور تنقید کے نمونے ہمارے سامنے پیش کیے ہیں بلکہ تحقیق اور متنی تنقید کے اصول و ضوابط پر کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ اس طرح وہ تحقیق اور عملی تحقیق دونوں کے مردِ میدان ہیں۔ ان کے تحقیقی عمل میں تضاد ڈھونڈ نکالنا بہت مشکل ہے اور یہی دراصل کسی شعبہ علم میں خصوصی مہارت کے صحیح معنی ہیں۔ اکثر ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ تھیوری کے تو بڑے ماہر ہوتے ہیں لیکن عملی طور پر جب وہ خود کچھ کرنے بیٹھتے ہیں تو کوئی مثالی کام انجام نہیں دے پاتے۔ دوسری طرح کے لوگ وہ ہیں جو خداداد صلاحیت کے بل پر اچھا کام تو سرانجام دے لیتے ہیں لیکن نئے کام کرنے والوں کی تربیت کی صلاحیت ان میں نہیں ہوتی۔ رشید حسن خان کا امتیاز یہی ہے کہ وہ دونوں محاذوں پر چاق و چوبند ہیں۔ (۹)

رشید حسن خان نے جن کلاسکی متون کی تصحیح و تدوین کی وہ ان کے تحقیقی ذوق اور تنقیدی شعور کا بین ثبوت ہے۔ تنقید و تحقیق جیسی نعمتوں کا بیک وقت کسی ایک شخصیت میں یک جا ہونا معدوم ہے۔ لیکن قدرت نے یہ دونوں نعمتیں خان صاحب کو ودیعت کی۔

رشید حسن خان کی بیش تر کتابیں مکتبہ جامعہ نئی دہلی اور انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سے شائع ہوئیں۔

خان صاحب کے مرتب کردہ نسخوں کی فہرست باب اوّل میں دی گئی ہے تاہم اس ضمن میں ان کے تین (۳) ناقابلِ فراموش کارنامے ''فسانۂ عجائب''، ''باغ و بہار'' اور ''رَٹل نامہ'' پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔

رشید حسن خان نے تدوین کی بھی حدود متعین کی ہیں، لکھتے ہیں:

> تدوین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی متن کو ممکن حد تک منشاے مصنف کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس میں بنیادی حیثیت صحتِ متن کی ہوتی ہے۔ (۱۰)

اختلافاتِ نسخ بھی ادبی تحقیق کے اہم مسائل میں سے ہے کیوں کہ کبھی کوئی شعر یا عبارت کسی نسخے میں کسی اور طرح درج ہوتی ہے اور دوسرے نسخے میں کسی اور طرح۔ اختلافِ نسخ کی کچھ وجوہ ہوسکتی ہیں۔ ممکن ہے شاعر یا مصنف نے دانستہ یہ تبدیلی کی ہو یا کاتب کی لاپرواہی سے یہ سب ہوا ہو۔ سبب کچھ بھی ہو مدون کے لیے یہ فیصلہ کرنا کہ کون سا متن حسبِ منشائے مصنف ہے، بے حد مشکل کام ہوتا ہے۔ اس میں کسی ایک نسخے کی بنیاد پر یا عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ تمام ممکن الحصول چیزوں سے اِستفادہ نہ کرلیا جائے۔ بہ صورتِ دیگر تدوین غیر معیاری اور اغلاط کی حامل ہوگی۔

قدیم متون، جو آب رسیدگی یا کرم خوردگی کی وجہ سے جگہ جگہ سے ضائع ہوجاتے ہیں ان کی تدوین میں رشید حسن خان قیاسی تصحیح کو جائز سمجھتے ہیں لیکن اس تصحیح کا دائرہ اتنا وسیع نہ ہوجائے کہ اصل متن مرتب کے کام کا تابع مہمل معلوم ہونے لگے۔ (۱۱)

قدیم متون کی تدوین کے وقت انھیں جدید اِملا میں لکھنے کی رشید حسن خان نے سخت مخالفت کی ہے۔ ان کے نزدیک جس عہد میں جو اِملا رائج ہوتا ہے وہ اس عہد کی شناخت ہوتا ہے لہٰذا اس کی تبدیلی سے آج اور سو سال پرانی تحریر میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔ رشید حسن خان کے نزدیک یہ تحریف ہے جس کا مرتب کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس ضمن میں ان کا یہ کہنا ہے:

> قدیم متن اور مخطوطے مصنّفین کے ہاتھوں سے لکھے تو بہت ہی کم دست یاب ہیں اور زیادہ تر کاتبوں ہی کی روش میں لکھے ملتے ہیں اس لیے متن میں مصنف کی منشا کو سمجھنا چاہیے۔ لیکن اگر ہمیں کسی قابلِ اعتبار ذریعے، کسی مصنف کے کسی خاص اِملا کو اختیار کرنے کا علم ہوجاتا ہے، جیسے مثلاً غالب کے خطوط کے ذریعے سے کچھ الفاظ کے مخصوص اِملا کا علم ہوتا ہے؛ تو ایسی صورت میں معاملہ مختلف ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں تقلید مصنف کے مختارات ہی کی کرنی چاہیے۔ لیکن جن مصنّفین کی خطی تحریریں ناپید ہیں یا جن کے مختارات سے ہم لوگ لاعلم ہیں ان کے متون مرتب کرتے وقت ان کے زمانے کے باقی لکھنے والوں کی روش برقرار رکھنی چاہیے۔ (۱۲)

رشید حسن خان کی اس بات سے کامل اتفاق کیا جا سکتا ہے کیوں کہ انگریزی اور دوسری زبانوں میں بھی تو یہی

طریقہ رائج ہے، چاسر اور شیکسپیئر کی تحریروں کو ان کے زمانے کے اِملا کی صورت میں درج کیا گیا ہے لیکن ہمارے یہاں اکثر دکنی متون کی تدوین یا کلاسیکی شعرا کے الفاظ اور ان کا اِملا تبدیل کر دیا گیا ہے جو ''تحریف'' کے زمرے میں آتی ہے۔

تدوین کے سلسلے میں ''فسانۂ عجائب'' اور ''باغ و بہار'' خان صاحب کے دو ایسے ناقابلِ فراموش کارنامے ہیں جن کی شہرت اپنے مقدمات کی بدولت بھی ہے۔ ان کے مرتب کردہ نسخوں میں اہم کلاسکی متون سے متعلق عام اہم مباحث کو پیش کیا گیا ہے اور یوں بہت سے اہم تدوینی مسائل کی وضاحت سے بھی بہت سے نکات روشن ہوئے ہیں۔ ان متون کی تیاری میں رشید حسن خان کی محنتِ شاقہ، دیدہ ریزی، عمق نظر اور تدوینی اصولوں کی پابندی کی داد دینا پڑے گی۔ ان متون میں تدوینی اصولوں کی مکمل پابندی سے متعلق عین الحق حقی لکھتے ہیں:

> انھوں نے ایڈیٹنگ کی تمام شرائط پوری کی ہیں جو ایک ذمے دار مرتب پر اصولاً عائد ہوتی ہیں۔ تمام معلوم نسخے جمع کیے جائیں، پھر کسی نسخے کو بنیاد بنایا جائے، اختلافات اور عہد بعہد ترمیم و اضافہ کی بھی وضاحت کی جائے۔ انھوں نے ایک ایک لفظ پر پوری توجہ کی ہے۔ طلبہ کی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے تلفظ کی وضاحت کے لیے اعراب بھی کثرت سے لگائے ہیں۔ ہر چیز کو آئینہ کر دیا ہے۔ (۱۳)

رشید حسن خان کی شہرۂ آفاق تدوین کو انجمن ترقیٔ اُردو ہند نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ تدوین بہ ذاتِ خود ایک جوکھم کا کام ہے پھر فسانۂ عجائب جس کی ادق زبان اور مختلف اڈیشنوں میں مصنف رجب علی بیگ سرور کی ترامیم اور اضافے، محققین کے لیے چیلنج سے کم نہ تھے لیکن خان سے اسے منشائے مصنف کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی پوری توجہ صحتِ متن پر مرکوز کی۔

''فسانۂ عجائب'' مرتبہ ''رشید حسن خان'' کے اِبتدائی ۱۴۱ صفحات کا مقدمہ ان کے عالمانہ وقار میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ مقدمے میں خان صاحب نے تدوین اور اس کے لوازمات کو بہ خوبی بیان کیا ہے، اجمالاً ذیل میں بھی درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ تدوین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی متن کو ممکن حد تک منشائے مصنف کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ مصنف نے آخری عبارت کس طرح لکھی تھی، یہ سب سے اہم مسئلہ ہوتا ہے۔

۳۔ الفاظ کے تعین اور ان کی صورت نگاری کی صحتِ متن اصل اہمیت ہوتی ہے۔

۴۔ کسی کتاب کے مختلف نسخوں کو (اگر وہ موجود ہوں) سامنے رکھنا ضروری بلکہ لازمی ہے۔

۵۔ مدون کے لیے لازمی ہے کہ منتخب الفاظ پر اعراب ضرور لگائے۔ اضافت کے لیے زیر اور تشدید اور علامات کا استعمال بھی ضروری ہے۔

۶۔ مرتب یا مدون کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ہر مصنف کے مختارات اور اس عہد کے چلن سے خوب واقف ہو اور ان کی وضاحت کے لیے حواشی میں ضروری تفصیلات درج کرے۔

۷۔ مرتب کا اصل کام یہ ہے کہ وہ متن کو صحیح طور پر پیش کرے اور متن سے متعلق بحث کو مناسب تفصیل سے لکھے۔

۸۔ مصنف کے حالاتِ زندگی کے بجائے کتاب کے اُن نسخوں کا تعارف زیادہ ضروری ہے جن سے متن کی تصحیح میں مدد لی گئی ہے۔ کیوں کہ خان صاحب کے مطابق مصنف کی مفصل سوانح تشکیل کرنا، داستان کے ماخذ کی نشان دہی اور اس کا تنقیدی جائزہ تدوینِ متن میں داخل نہیں، سوانح یا ماخذ کو مختصراً دیا جا سکتا ہے۔ مدون کو محض متعلقاتِ متن پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔

۹۔ مقدمے کے آخر میں باعثِ تاخیر کے عنوان سے رشید حسن خاں نے بیان کیا کہ متن کی ترتیب اور اختلافِ نسخ کا سارا کام مکمل ہو گیا تھا کہ انھیں پتا چلا کہ پٹنہ میں مصنف کا نظرِ ثانی شدہ ۱۲۸۰ھ کا ایڈیشن ہے۔ اسے دیکھ کر آسانی کی صورت یہ تھی کہ کتابت شدہ متن کو اسی طرح رہنے دیا جاتا اور آخر میں ایک نوٹ شامل کر دیا جاتا لیکن رشید حسن خاں نے اس نسخے کی دریافت پر متن کو از سرِ نو مرتب کیا۔

''فسانہ عجائب'' میں تدوین کے لیے جو اصول وضع کیے گئے خان صاحب نے اس پر پوری طرح عمل بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کا یہ اقتباس اس ضمن میں بڑی اہمیت کا حامل ہے:

> مقدمہ ابنِ خلدون کی شہرت چہار دانگ عالم میں ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ ابنِ خلدون نے تاریخ نویسی کے جو اصول مقدمے میں قائم کیے ہیں، وہ انھیں خود اپنی تاریخ میں نبھا نہیں سکے ہیں۔ چناں چہ تاریخ ابنِ خلدون میں تاریخ نویسی کے وہ سارے عیوب موجود ہے جن پر ابنِ خلدون نے اپنے مقدمے میں سخت نکیر کی ہے لیکن رشید حسن خاں پر اس قسم کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ انھوں نے تدوینِ متن کے سلسلے میں خود اپنے قائم کردہ فلاں فلاں اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ ان کی مرتبہ کتابوں کے مطالعے کے بعد یہی تاثر قائم ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنی تمام تر وہبی و اکتسابی صلاحیتیں یہاں صرف کر دی ہیں اور ساری عمر کے مطالعے اور معلومات کا عطر ان کتابوں کے حواشی میں کشید کر کے رکھ دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی مرتبہ کتابیں تدوینِ متن کا معیاری اور مثالی نمونہ ہیں۔ (۱۴)

رشید حسن خاں نے سرور کی ولادت، وطن، وفات اور مدفن کا بھی اجمالاً ذکر کیا ہے۔ تاہم انھوں نے یہاں ایک اہم اطلاع یہ دی کہ ۱۲۸۳ھ میں منشی نول کشور نے فسانۂ عجائب کا حقِ اشاعت خرید کر اس کا پہلا ایڈیشن شائع کیا لیکن اس سے پہلے نول کشور اس کتاب کو شائع کر چکے تھے۔ مسرور کے حالاتِ زندگی کے ضمن میں رشید حسن خاں نے بعض اہم مآخذ سے اِستفادہ نہیں کیا جس کا ذِکر ڈاکٹر گیان چند نے کیا ہے۔ گیان چند لکھتے ہیں:

> سرور کے وطن کے سلسلے میں بھی یہ عام طور سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ لکھنؤ کے باشندے تھے لیکن ڈاکٹر حنیف احمد نقوی نے تین قدیم تذکروں میں کچھ اور ہی پایا۔ مبتلا عشق میرٹھی نے تذکرہ طبقاتِ سخن میں اور خیراتی لال بے جگر نے اپنے تذکرے میں انھیں خوش باش شہر کالنہ پور لکھا ہے۔ خوب چند ذکا نے بھی معیار الشعرا میں انھیں ساکن کالنہ پور قرار دیا ہے۔ یہ بیانات اس وقت کے ہیں جب سرور نے فسانۂ عجائب نہیں لکھی

تھی۔ حیرت ہے کہ ڈاکٹر نیر مسعود اور رشید حسن خاں اپنی اپنی کتاب مرتب کرتے وقت ان تینوں کے مآخذ سے ناواقف تھے۔ (۱۵)

ڈاکٹر گیان چند نے بعض اہم مطالب کو حاشیے میں درج کرنے پر رشید حسن خاں پر اعتراض کیا ہے۔ ان کے نزدیک ان اہم مطالب کو متن میں جگہ دی جانی چاہیے نہ کہ حاشیے میں، لکھتے ہیں:

> رشید حسن خاں نے اس کتاب میں، نیز باغ و بہار میں فٹ نوٹ میں بہت سے اہم مطالب درج کیے ہیں جن کا متن مقدمہ سے براہِ راست تعلق ہے۔ انھیں حاشیے میں کیوں جگہ دی گئی، متن میں کیوں نہیں۔۔۔ خان صاحب کے ذہن میں حاشیے کی حصار کی بات صاف نہیں معلوم ہوتی۔ فٹ نوٹ میں عام سے مآخذ کا حوالہ دیا جاتا ہے یا ایسے تبصرے جو متن میں دیئے جائیں تو دخل در معقولات معلوم ہوں۔ حتی الامکان تبصراتی حاشیے متن ہی میں شامل کرنے چاہئیں۔ حواشی متن پر غالب نہ ہونے پائیں نہ اس کے حریف ہوں۔ (۱۶)

ڈاکٹر گیان چند کی اس بات سے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ فٹ نوٹ میں صرف عام مآخذ کا حوالہ دیا جائے اور اہم مطالب کو متن میں درج بریکٹ ڈال کر درج کیا جائے۔

گیان چند نے رشید حسن خاں کے اس دعوے کی بھی تردید کی ہے کہ نوطرزِ مرصع کی علاوہ قصہ کہانیوں کی کوئی کتاب ادق زبان میں نہیں لکھی گئی۔ اس ضمن میں گیان چند نے حکیم مہجور کی ''گلشنِ نو بہار'' کو بہ طور مثال پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں فسانۂ عجائب کو مذکورہ کتاب کے اسلوب کی تقلید قرار دیتے ہیں۔ (۱۷)

''فسانۂ عجائب'' کی زبان و بیان پر عالمانہ گفتگو بھی مقدمہ میں ص ۶۱ سے ۷۴ تک کی گئی ہے۔ اس بحث میں خان صاحب سرور کی زبان کی جہاں تعریف کی وہاں بھدے پن اور بے کیفی کو بھی معرضِ بحث میں لائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> فسانۂ عجائب کی نثر میں بہت سے مقامات پر کچا پن محسوس ہوتا ہے اور لفظی رعائتوں کی غیر ضروری پابندی نے بے ڈھنگا پن بھی پیدا کیا ہے۔۔۔ متعدد مقامات پر بیان میں ایسا بھدا پن ہے کہ اسے بے اختیار پھوہڑ پن کہنے کو جی چاہتا ہے۔ (۱۸)

رشید حسن خاں نے اس ضمن میں جو مثالیں دی ہیں ان سے جہاں سرور کے یہاں بھدے پن اور بے کیفی کی نشان دہی ہوتی ہے وہاں خاں صاحب کی خود اعتمادی اور تنقیدی نظر کی بھی داد دینی پڑتی ہے۔ انھوں نے متن کا جو لسانی تجزیہ کیا ہے وہ بھی ان کی تنقید کی بصیرت تبحرِ علمی پر دال ہے۔ وہ صرف ایک محقق، مدون اور نقاد ہی نہیں بلکہ ایک ماہرِ املا و قواعد کے طور پر بھی اپنا تشخص بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

رشید حسن خاں نے مقدمہ میں قلمی اور مطبوعہ نسخوں کی تفصیل بھی دی ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ فسانۂ عجائب کا انھیں کوئی ایسا نسخہ نہیں مِلا جو عہدِ مصنف کا مکتوبہ ہو اور اس سی متن کی تصحیح و ترتیب میں مدد لی جا سکے۔ انھوں نے بعض دستیاب نسخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

پھر یہ بات بھی ہے کہ یہ نسخے میرے دائرۂ کار سے قریب کی نسبت بھی نہیں رکھتے۔ میرا اصل مقصد تو اس متن کی اس صورت کو پیش کرنا ہے جسے آخری بار مصنف نے پیش کیا تھا اور اس میں ان نسخوں کے مباحث کے شمول کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت۔ (۱۹)

رشید حسن خاں نے فسانۂ عجائب کی تدوین میں پانچ نسخوں کو منتخب کیا۔ ان مطبوعہ نسخوں کے مخفف کے طور پر حرفی علامات ح، م، ک وغیرہ کو استعمال کیا ہے۔ ہر چند اس سے شاید مرتب کے لیے سہولت کا سامان ہو لیکن قاری کا اُلجھن میں مبتلا ہو جانا فطری ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ خاں صاحب لفظی مخففات پر اکتفا کرتے تا کہ قاری کے ذہن کو بھٹکنا نہ پڑتا۔ تدوین کے لیے منتخب کردہ مطبوعہ نسخوں میں اشاعتِ اوّل بھی شامل ہے جسے ''ح'' مخفف سے ظاہر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ میر حسن رضوی کے مطبع حسنی سے پہلی بار ۱۲۵۹ھ میں چھپی اور اسی مناسبت سے اس کا مخفف ''ح'' درج کیا گیا۔ اسی مطبع سے ''فسانۂ عجائب'' کی دوسری اشاعت ۱۲۶۳ھ میں ہوئی۔ خاں صاحب نے دوسری نسخے کے لیے ''ض'' مخفف درج کیا جس میں بہ ظاہر کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔ ''نسخہ ض'' کا اختصاص یہ ہے کہ یہ رجب علی بیگ سرور کا نظر ثانی ایڈیشن ہے اور اس کے بعد کے اکثر ایڈیشن اسی نسخے پر مبنی ہیں۔

تیسرا ''نسخہ ک'' ہے جو مطبع محمدی کانپور سے ۱۲۶۷ھ میں شائع ہوا۔ اس ضمن میں ''ک'' کا تلازمہ کانپور کے لیے قرینِ فہم ہے۔ اس نسخے میں سرور نے بہت سی ترامیم کیں لیکن اس نسخے کو قبولِ عام نہ مِلا۔

''فسانۂ عجائب'' کا چوتھا نسخہ ۱۲۷۶ھ میں مولوی محمد یعقوب کی فرمائش پر انھی کے مطبع سے شائع ہوا۔ اسے خاں صاحب نے ''نسخہ ف'' کا نام دیا ہے۔ اس نسخے کی خصوصیت یہ ہے کہ مولوی یعقوب کی فرمائش پر اس پر سرور نے مکمل نظر ثانی کی۔

''نسخہ ل'' مولوی یعقوب ہی کے مطبع سے ۱۲۸۰ھ میں شائع ہوا، اور یہ سرور کا آخری بار نظر ثانی کیا ہوا نسخہ ہے۔

''فسانۂ عجائب'' کے حقوقِ اشاعت خریدنے کے بعد منشی نول کشور نے ۱۲۸۳ھ میں ''فسانۂ عجائب'' کو بڑے اہتمام سے شائع کیا اور اس نسخے کو بھی خاں صاحب نے مدِنظر رکھا اور اسے ''نسخہ ن'' کا نام دیا۔

رشید حسن خاں نے بنیادی نسخے کے طور پر ''نسخہ ل'' کو منتخب کیا کیوں کہ وہ مصنف کا نظر ثانی کیا ہوا آخری نسخہ ہے۔ ''نسخہ ل'' میں:

۱۔ ہائے مخلوط اور ملفوظ میں صورت کا امتیاز نہیں رکھا گیا۔

۲۔ یائے معروف و مجہول کی کتابت میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

۳۔ تشدید کا التزام نہیں ملتا، کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے۔

۴۔ پیراگراف کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

۵۔ ضمہ کو ظاہر کرنے کے لیے بعض الفاظ میں الف کے بعد واو کو لکھا گیا ہے جیسے اوس (اُس)، اوستاد (اُستاد)

رشید حسن خاں نے ''نسخہ ل'' میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا:

۱۔ ہائے مخلوط اور ملفوظ میں کتابت کے امتیاز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۲۔ یائے معروف اور مجہول کی کتابت میں تفریق کو بھی ملحوظ رکھا گیا اور یائے مخلوط کے لیے اس پر آٹھ کے ہندسے کا نشان دیا گیا۔

۳۔ مشدد حروف پر تشدید لگانے کی پابندی کی گئی۔

۴۔ پیراگراف بنائے گئے۔

۵۔ واوِ معدولہ کے نیچے خط لگایا گیا۔

۶۔ لفظ کے درمیان واقع نونِ غنہ پر قوس کا اُلٹا نشان لگایا گیا۔

۷۔ حروف پر اعراب لگائے گئے اور واو کو نکال کر اس کی جگہ الف پر ضمہ لگایا گیا جسے اُس، اُستاد وغیرہ

۸۔ علامات، نشانات، اعراب اور رموزِ اوقاف کو شامل عبارت کیا گیا۔

۹۔ اسمائے معرفہ کے اُوپر ایک خط کھینچا گیا تاکہ وہ نمایاں ہوسکیں۔

ڈاکٹر گیان چند نے متن میں درج بالا علامات ورموزِ اوقاف کے ذریعے صحتِ متن کی اس کوشش کو بے نظیر قرار دیا ہے تاہم اسمائے معرفہ کے اُوپر خط کھینچنے کو قطعی غیر ضروری قرار دیا ہے۔

مقدمے کا آخری عنوان ''باعثِ تاخیر'' ہے۔ اس ضمن میں خاں صاحب نے اس اَمر کی صراحت کی ہے کہ متن کی ترتیب اور اختلافِ نسخ کا کام مکمل کرلیا، متن کی کتابت بھی ہوگئی تھی معلوم ہوا کہ پٹنے میں مصنف کا نظر ثانی کیا ہوا ۱۲۸۰ھ کا ایڈیشن موجود ہے۔ اس پر رشید حسن خاں نے ازسرِ نو مرتب کیا۔ حالاں کہ ایک صورت یہ بھی تھی کہ کتابت شدہ متن کے آخر میں نوٹ دے دیا جاتا کہ اس نسخے کی بازیافت اس مرحلے پر ہوئی کہ استفادہ ممکن نہیں تھا لیکن خاں صاحب نے ایسا نہ کیا بلکہ اپنے ضمیر کے اطمینان کی خاطر پورے متن کو ازسرِ نو مرتب دیا۔

''فسانۂ عجائب'' میں مقدمہ صفحہ (۱) سے شروع ہوکر ۱۷ا تک جاتا ہے اور متن کو بھی خاں صاحب نے نمبر (۱) سے شروع کردیا نمبروں کی یہ مکرر ترتیب تدوین کے اصولوں کے منافی ہے لیکن رشید حسن خاں اس کی توجیہہ یوں بیان کرتے ہیں:

> ضمیموں کے اندراجات کے سلسلے میں یہ ضروری تھا کہ متن پر نمبر شمار موجود ہوں (متن میں کتابت پہلے ہوئی تھی) تاکہ صفحات کا حوالہ دیا جاسکے۔ مقدمہ (حسبِ روایت اور حسبِ معمول) ضمیموں کی تکمیل کے بعد لکھا گیا۔ امتیاز کی خاطر اِبتدائی حصے کے صفحات پر نمبر شمار صفحات کے نچلے حصے میں لکھے گئے ہیں جب کہ باقی کتاب میں صفحات کے نمبر شمار (حسبِ معمول) صفحات کے اُوپری حصے پر ہیں۔ (۲۰)

''فسانۂ عجائب'' کے متن کو حسبِ منشائے مصنف پیش کرنا خاں صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ شان الحق حقی ''فسانۂ عجائب'' کی تدوین پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

> رشید حسن خاں کی یہ بے نظیر تالیف اُردو دُنیا کے لیے ایک نمونہ بن کر سامنے آئی ہے اور تکلّفاً نہیں، ان کا مزاج، ان کا مذاق، ان کا معیار ہی یہ ہے۔ وہ ایک ذمے دار مصنف ہیں۔ جزویات کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز

نہیں کرتے۔اس ایک تالیف کے ذیل میں کتنے ہی چھوٹے بڑے مسائل کی تحقیق آ گئی ہے۔الفاظ کے معنی کا تعین،محاورات کی تحقیق وتطبیق،اشعار کا انتساب،اشخاص کے تراجم،کسی مسئلے سے گریز نہیں کیا۔تلاش وتجسس کا حق ادا کیا ہے۔رسوم،فنون،عمارات،تاریخی روایات سب پر مفید حوشی ہیں۔اشاریوں کی ترتیب بظاہر ایک میکانکی عمل ہے انھوں نے اس کو نہ صرف احتیاط سے انجام دیا ہے بلکہ ہر طرح مفید ومعتبر بنایا ہے۔(۲۱)

متن کے بعد رشید حسن خاں نے سات ضمیمے دیئے ہیں جو متن کی وضاحت کے ضمن میں شامل کیے گئے ہیں۔

پہلا ضمیمہ نثر ہائے خاتمہ کتاب ہے۔جو ان نثر پاروں پر مشتمل ہے جو سرور نے مختلف اشاعتوں کے آخر میں لکھی تھیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کون کون سے نسخے مصنف کے نظر ثانی شدہ ہیں۔

دوسرا ضمیمہ بعض وضاحت طلب امور کی تشریحات پر مشتمل ہے۔اس میں رشید حسن خاں نے وضاحت طلب الفاظ اور تراکیب کو مختلف نسخوں کے تقابل سے بیان کیا ہے اور منشائے مصنف اور اُس دَور کی اِملاء کے مطابق الفاظ کی تشریح کی ہے۔وضاحت کا طریقِ کار یہ ہے کہ صفحہ نمبر اور سطر نمبر دے کر وضاحت کی گئی ہے۔مثلاً صفحہ ۵،سطر ۸ کے تحت لفظ ''متوطنِ خطہ بےنظیر'' کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

ص ۵۔س ۸:ن کی اشاعتِ اوّل میں اسی طرح ہے،مگر اشاعتِ ثانی میں اس جملے میں لفظ حال بھی شامل ہے''متوطنِ حال خطۂ بےنظیر'' لفظِ حال کسی اور نسخے میں موجود نہیں بہ ظاہر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ صاحبانِ مطبع کی کارگزاری ہے۔غالباً اسی کارگزاری کے نتیجے میں جناب مخمور اکبرآبادی نے یہ فرض کرلیا کہ وہ لازماً اکبرآباد کے رہنے والے ہوں گے۔۔۔(۲۲)

تیسرا ضمیمہ انتسابِ اشعار کا ہے۔متن میں جو اشعار شامل ہیں ان اشعار پر گول دائروں کے اندر انگریزی ہندسے لکھے گئے ہیں۔اس ضمیمے میں صفحہ نمبر اور حوالہ نمبر درج کرنے کے بعد اس شعر کے بارے میں ضروری معلومات دی گئی ہیں۔قابلِ ذِکر بات یہ ہے کہ اگر ایک صفحے پر ایک شعر ہے اور اس پر حوالہ نمبر'ا' درج ہے تو اس سے اگلے صفحے پر بھی اگر کوئی شعر ہے تو حوالہ نمبر'ا' ہی استعمال کیا گیا ہے۔یوں ان اشعار کے حوالے صفحات کے نمبر سے تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ص ۵ پر ایک شعر درج ہے:

سنا، رضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے
وہ بے شک لکھنؤ کی سرزمیں ہے

اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

ص ۱۵ اک میں اس شعر پر ''مؤلف'' لکھا ہوا ہے،لیکن باقی نسخوں میں یہ لفظ نہیں لتا۔یہ خارج از امکان نہیں کہ یہ شعر مؤلف ہی کا ہو۔(۲۳)

اسی طرح ص ۲۴ پر ایک شعر اور ایک مصرع لکھا ہوا ہے۔شعر پر حوالہ نمبر'ا' جب کہ مصرع پر حوالہ ۲ درج ہے۔شعر ہے:

اور تو بس نہیں چلتا ہے رقیبوں کا، ولے

سوز کے نام کو لکھ لکھ کے جلا دیتے ہیں

جب کہ مصرع یوں ہے:

قبولِ خاطر ولطفِ سخن، خدادادا ست

اس کی وضاحت رشید حسن خاں نے اس طرح کی ہے: ''ص ۲۴۔ا، دیوانِ سوز ص ۲۵۷۔

۲۔مصرع حافظ کا ہے۔مکمل شعر یوں ہے:

حسد چی می بری اے سست نظم بر حافظ
قبولِ خاطر و لطفِ سخن خدا داد است
(دیوانِ حافظ، مرتبۂ قاسم غنی وقزوینی، ص ۲۷)(۲۴)

اس ضمیمے کی مدد سے ہم متن میں موجود اشعار اور مصرعوں کے بارے میں جان سکتے ہیں کہ جو شعر درج کیا گیا ہے وہ کس کا ہے اور اگر مصرع ہے تو رشید حسن خاں نے اسے مکمل کر کے اس کا حوالہ بھی درج کر دیا ہے کہ وہ شعر دیوان کے کس صفحے پر ہے اور اگر اس کی صورت مختلف ہے تو اس اختلاف کو بھی انھوں نے اسی ضمیمے میں بیان کر دیا ہے۔ یہ بات رشید حسن خاں کی دیدہ ریزی، مطالعے اور ذوقِ شعر کا پتا دیتی ہے۔

دیباچۂ کتاب میں جن افراد، مقامات اور عمارات وغیرہ کے نام آئے ہیں ان کی تفصیل چوتھے ضمیمے میں درج کی گئی ہے۔اس ضمیمے کی ایک خامی یہ ہے کہ محض اشخاص ومقامات کے نام درج کیے گئے ہیں۔متن کا صفحہ نمبر درج نہیں کیا گیا۔اس کا ازالہ آخر میں اشاریہ میں کر دیا گیا ہے مثلاً ضمیمہ۴ میں آتش کے حوالے سے تو معلومات ملتی ہیں لیکن متن میں آتش کا حوالہ کس کس صفحے پر آیا ہے اس کا علم اشاریہ سے ہوتا ہے کہ ص ۱۳، اور ۱۱۵ پر آتش کا حوالہ متن میں آیا ہے۔

پانچواں ضمیمہ تلفظ اور اِملاء سے متعلق ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ خاص خاص الفاظ پر جو اعراب لگائے گئے ہیں یا جو املاء اختیار کیا گیا ہے اس کی وجہ اور بنیاد کیا ہے۔اس کی وضاحت کے لیے رشید حسن خاں نے نہ صرف فسانۂ عجائب کے نسخوں کا اختلاف بتایا ہے بلکہ فرہنگوں اور لغات کے حوالے بھی دیے ہیں۔ اِملاء اور تلفظ رشید حسن خاں کی دلچسپی کا مرکز ہیں۔ متون کی تدوین میں ان کی یہ دلچسپی اس صورت میں سامنے آتی ہے۔مثلاً ''آزر'' کی وضاحت و اِملاء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

آزر (ص ۳۴) [ض، ف، ک، ل: آذر۔ ح، م: آذر۔]

آذر'' اور ''آزر'' دو مختلف الفاظ ہیں۔ ''آذر'' کے کئی معنی ہیں: آگ۔ ایک فرشتے کا نام جو ''موکلِ آفتاب'' ہے (وغیرہ) تفصیل کے لیے دیکھیے برہانِ قاطع (طبع تہران) ان سب معنوں میں اس لفظ میں ذال ہے لیکن حضرت ابراہیم کے والد یا چچا کا نام ''آزر'' ہے (بہ رائے معجمہ) اور یہاں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے اس لیے اس کو 'ز' سے لکھا گیا ہے (۲۵)

چھٹا ضمیمہ الفاظ اور طریق استعمال پر مشتمل ہے۔اس ضمیمے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ علم ہو جائے کہ سرور کے

عہد میں الفاظ کا طریق استعمال کیا تھا۔اس ضمیمہ میں وہ خاص خاص الفاظ شامل ہیں جن میں سے کچھ تو پہلے کی طرح سے بولے جاتے ہیں لیکن کچھ اور طرح سے مثلاً معرکہ اٹکا تھا ص ۱۱۴، تنبیہ غافلوں کو ص ۲۲۹، وہ تو بہ درجہ حسین تھی ص ۳۳۱، منعقد کرو، ص ۱۳۱۔

ساتواں ضمیمہ اختلافِ نسخ کا ہے۔ یہ صرف دیباچہ سے متعلق ہے۔مثلاً دیباچے کے پہلے صفحے پر ہے کہ ''عاشقِ باوفا و معشوقِ پردغا کو۔۔۔'' اس کا اختلاف یوں درج ہے: ک میں ''و'' موجود نہیں۔

ضمیموں کے بعد آٹھواں حصہ فرہنگ کا ہے۔ بالعموم الفاظ کے وہی معنی لکھے گئے ہیں جن معنوں میں وہ متن میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ فرہنگ اس لحاظ سے بہت مفید ہے کہ اس سے متن کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بہت سے الفاظ جو نامانوس ہیں ان کا مطلب قدرے وضاحت سے درج کیا گیا ہے مثلاً:

ارجُل: وہ گھوڑا جس کا پچھلا دایاں یا بایاں پیر گھٹنے تک سفید ہو اور بقی جسم کسی اور رنگ کا ہو۔ایسا گھوڑا بہت منحوس سمجھا جاتا ہے۔

چھوچھو: دایہ، کھلائی وہ عورت جو بچوں کی خدمت کے لیے رکھی جاتی ہے۔

باغ و بہار: ''باغ و بہار'' کو تصنیفی اعتبار سے ''فسانۂ عجائب'' پر زمانی تقدم حاصل ہے تاہم رشید حسن خاں نے تدوین کے ضمن میں ''فسانۂ عجائب'' کو مقدم رکھا۔

رشید حسن خاں نے مکتبہ جامعہ دہلی کے لیے ''باغ و بہار'' کو معیاری سیریز کے تحت ۱۹۶۴ء میں مرتب کیا۔

بہ قول گیان چند:

۔۔۔تبھی سے ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اس کتاب کو مکمل طریقے سے مدون کیا جائے۔ان کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ۱۹۹۲ء میں سامنے آیا۔ (۲۶)

''باغ و بہار'' کی طبع اوّل سے ہی میر امن کے حالاتِ زندگی، باغ و بہار کا ماخذ، باغ و بہار کی اہمیت، اس کے کردار، زبان و بیان کی خوبیوں کے حوالے سے بیش تر مرتبین نے بحث کی۔صحتِ متن کی جانب کسی نے توجہ مبذول نہ کرائی۔ اس ضمن میں پہل اور اہم ترین کام رشید حسن خاں نے کیا۔

''باغ و بہار'' کی اشاعتِ اوّل سے پہلے اس کے متن کے ۱۰۲ صفحات ۱۸۰۲ء میں ہندی مینول میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکے تھے۔

۱۸۰۴ء کے ایڈیشن کو گل کرسٹ نے جس صحت رموز واوقاف کے ساتھ چھپوایا تھا وہ باغ و بہار کی تدوین کا پہلا مستحسن قدم تھا اور رشید حسن خاں کی تدوینی کاوش اس سفر کا آخری قدم ہے۔ (۲۷)

مواد کی فراہمی خاں صاحب کی برسوں کی جستجو کا نتیجہ ہے۔اس ضمن میں مقدمے میں ذکر کیا گیا ہے۔ ہندی مینول

کے حصول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> قدوائی صاحب اچھے دوست ہیں، مخلص اور غم گسار ہیں لیکن پرانے شرفاے کرام کی طرح کاہلی اور بے پروائی میں بھی کسی سے کم نہیں۔ سونے پہ سہاگا یہ کہ انھوں نے لندن میں حق صاحب سے عکس بھیجنے کی فرمایش کی تھی وہ صاحب ان لوازمِ تہذیب اشرافیہ میں موصوف کے شریکِ غالب نکلے۔ (۲۸)

۱۹۶۴ء سے ۱۹۸۴ء، ۲۰ سال میں خاں صاحب نے تمام معلوم حوالوں کو یکجا کرنے میں صرف کیے۔ حوالوں کی تکمیل کے بعد تدوین کا آغاز کیا۔

''باغ و بہار'' ان کے عالمانہ مقدمے کے ساتھ ۱۹۹۲ء میں چھپ کر منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب کے مقدمے میں بھی تدوین کے اُنھی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے جو اس سے قبل ''فسانۂ عجائب'' میں بیان کیے گئے تھے۔ یہاں بھی خاں صاحب نے متن کو منشاے مصنف کے مطابق ہی پیش کرنے کو اہمیت دی ہے۔

میر امن نے ''باغ و بہار'' میں دِلّی کی بول چال کا روزمرہ لکھا۔ پیش تر کے مصنّفین کی بدولت بارہا نامانوس روپ اس لیے در آئے کہ انھوں نے اسے سہوِ طباعت سمجھ کر تبدیل کیا۔ لیکن رشید حسن خاں نے میر امن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ''گنجِ خوبی'' کے علاوہ ''ہندی مینول'' اور گل کرسٹ کے نظامِ اوقاف کی مدد سے ہر لفظ اور ہر محاورے کو اسی طرح لکھا جو میر امنؔ کا منشا رہا ہوگا۔ (۲۹)

''باغ و بہار'' کے طویل مقدمے میں رشید حسن خاں نے اُن امور کی جانب بھی توجہ مبذول کرائی ہے جن کا براہِ راست تعلق میر امن کی سوانح کے غیر مستند بیانات سے تھا۔ اس ضمن میں مفتی انتظام اللہ شہابی کی غلط بیانی کے سبب ممتاز حسین اور مرزا حامد بیگ نی جو تحقیقی ٹھوکریں کھائی ہیں اس کا اِنکشاف بھی کرتے ہیں۔ رشید حسن خاں نے یہ بھی بتایا ہے کہ گل کرسٹ نے میر امن سے چار درویش کی تالیف کی فرمائش ان کے فورٹ ولیم کالج میں ملازمت سے قبل کر دی تھی اور میر امن نے اصلاً اس پر کام بھی شروع کر دیا تھا۔ میر امن نے اس کا نام ''چار درویش'' رکھا لیکن نظرِ ثانی کے بعد ''باغ و بہار'' سے موسوم کیا۔ (۳۰)

''باغ و بہار'' کے مقدمے میں رشید حسن خاں نے درج ذیل چند باتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے:

۱۔ ممتاز حسین کا مرتبہ نسخہ جو ۱۹۸۵ء میں کراچی سے شائع ہوا تھا۔ اس میں ممتاز حسین نے مفتی انتظام اللہ شہابی کی اطلاع پر میر امن کا سال وفات متعین کیا۔ خاں صاحب نے بہ تحقیق یہ ثابت کیا کہ ممتاز حسین نے مفتی صاحب کے جس حوالے پر اپنی بات کی بنیاد رکھی اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں اس طرح ممتاز حسین اور حامد بیگ نے میر امن کی سوانح کے ایک غیر معتبر حوالے پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی۔

۲۔ رسالہ نقوش (لاہور) کے خاص نمبر (دسمبر ۱۹۸۷ء) میں مرزا حامد بیگ نے ''میر امن دِلّی والے'' کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے وہ محض قیاسیات پر مبنی ہے۔

۳۔ ''باغ و بہار'' اور ''گنج خوبی'' دونوں کتابوں کے دیباچے میں میر امن نے اپنا نام ''میر امن'' لکھا ہے۔ اس لیے یہ بات کہ ان کا نام میر امان اور تخلص امن ہے۔ درست نہیں ہے۔

۴۔ میر امن کے تخلص، وطن، تعلیم، جاگیر و منصب، مذہب، اولاد اور ملازمت کے حوالے سے رشید حسن خاں نے مستند معلومات فراہم کی ہیں۔

۵۔ باغ و بہار کی تیاری گل کرسٹ کی عمومی ہدایات کے تحت کی گئی اس ضمن میں میر شیر علی افسوس نے ''باغ و بہار'' کی نثر کی درست میں کچھ مفید مشورے بھی دیئے۔ اس درستی کو خاں صاحب شخصی و ذاتی رائے تسلیم کرتے ہیں اور اصلاح نہیں مانتے۔

رشید حسن خاں نے مقدمے کے حاشیے میں ایک خطی نسخے کی اطلاع پر ڈاکٹر عبیدہ بیگم سے ممنونیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ ''باغ و بہار'' کی تدوین میں، خاں صاحب نے اپنے تئیں تمام حوالے جمع کیے تاہم بہ قول ڈاکٹر گیان چند، رشید حسن خاں کو مارسیلز کی میونسپل لائبریری میں باغ و بہار کا ۱۲۱۷ھ کا مخطوطہ بھی دیکھنا چاہیے تھا۔ (۳۱)

باغ و بہار کی تدوین کے لیے چار نسخے رشید حسن خاں کے پیشِ نظر رہے۔ پہلا نسخہ وہ ہے جو ۱۸۰۴ء میں پہلی بار کلکتہ کے ہندوستانی چھاپہ خانہ سے شائع ہوا تھا۔ اس نسخے میں گل کرسٹ کے طریق کار کے مطابق الفاظ پر اعراب لگائے گئے؛ رموزِ اوقاف اور علامات کا التزام بھی کیا گیا۔ اس نسخے میں الفاظ پر اعراب و علامات نیز ۳ عبارت میں رموزِ اوقاف کا خاص اہتمام ملتا ہے۔ جان گل کرسٹ نے اِملاء کا جامع نظام مرتب کیا تھا۔ یہ نظام اس نسخے کے متن میں نظر آتا ہے۔ اس نظام کے تحت ی کو چار اقسام میں بانٹا گیا تھا۔

۱۔ یائے معروف کی صورت میں یہ طے کیا گیا تھا کہ اسے متعارف صورت ی میں لکھا جائے گا۔ اس کا نام یائے دامنی رکھا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ اس کے نیچے نقطے نہیں ہوں گے۔

۲۔ یائے مجہول کی صورت میں اسے دراز لکھا جائے گا۔ دے، گے سے۔ اس میں بھی نقطے نہیں ہوں گے۔

۳۔ اگر درمیان میں ہو تو اس کو یائے مشموم پکارا گیا اس کی پہچان کہ اس کے نقطے اُوپر نیچے لکھے جائیں گے۔

۴۔ یائے شوشہ دار میں معروف و مجہول کے امتیاز کے لیے یہ طے کیا گیا کہ یائے مجہول کے اُوپر چھوٹا سا دائرہ بنایا جائے گا۔ کھیل، دیر، میں، جیل وغیرہ اسے جزم مدورہ کہا گیا۔ یائے شوشہ دار سے پہلے حرف پر زبر ہونے کی صورت میں اس پر آٹھ کے عربی ہندسے جیسا نشان بنایا گیا۔ اس علامت کا نام جزم غیر مدورہ رکھا گیا۔ فَیض، طُفَیل۔

ی کی طرح واو کی بھی چار قسمیں کی گئیں۔ باغ و بہار کے پہلے مطبوعہ نسخے میں درج ذیل قاعدوں کی پابندی کی گئی ہے۔

۱۔ اضافت کے زیر نہایت پابندی کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔

۲۔ مشدد حرفوں پر تشدید ضرور لگائی گئی ہے۔

۳۔ جملہ معترضہ کو قوسین میں لکھا گیا ہے۔

۴۔ پیراگراف بنائے گئے ہیں۔

۵۔ کاما اور فل سٹاپ لگائے گئے ہیں۔ فل سٹاپ کے لیے چھوٹا سا کھڑا خط ملتا ہے۔

۶۔ کاما کے لیے چھوٹا سا ڈیش (۔) استعمال کیا گیا ہے۔

۷۔ ندائیہ اور سوالیہ علامت بھی استعمال کی گئی ہے۔ اس نسخے کی علامت ''ک'' ہے۔

پہلی اشاعت سے پہلے زمانی ترتیب کے مطابق ہندی مینول کا نام آتا ہے۔ اس میں باغ و بہار کے ۱۰۲ صفحات شامل ہیں۔ اس نسخے میں شامل متن کی ایک اہمیت یہ ہے کہ اس کی مدد سے طبع اوّل کی بعض اغلاطِ طباعت کو دُور کیا جا سکتا ہے۔ اس نسخے کی علامت ''م'' ہے۔

ڈنکن فاربس نے بھی باغ و بہار کو مرتب کیا۔ یہ پہلی بار لندن سے ۱۸۴۶ء میں، دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۹ء میں؛ تیسرا ۱۸۵۱ء میں اور چوتھا ۱۸۶۰ء میں لندن ہی سے شائع ہوئے۔ رشید حسن خاں نے فاربس کے مرتبہ پہلے ایڈیشن کو سامنے رکھا ہے اور اس کے لیے ''ف'' کا مخفف استعمال کیا ہے۔

اس نسخہ ف میں ۲۶۰ صفحات پر متن محیط ہے۔ اس کے بعد نہایت مفصل فرہنگ ہے۔ الفاظ کو پہلے اُردو رسم الخط میں اور پھر رومن رسم خط میں لکھا گیا ہے۔ الفاظ کے معنی انگریزی میں لکھے گئے ہیں۔ فاربس نے گل کرسٹ کے نظام اِملاء کی مکمل طور پر پیروی نہیں کی۔ کاما کے لیے تو چھوٹا سا ڈیش ہی استعمال کیا گیا ہے لیکن فل سٹاپ کے لیے ☆ کا نشان استعمال کیا ہے۔ جزم کو بہ کثرت استعمال کیا ہے۔ ڑ، ڈ اور ٹ کے لیے چار نقطے بطور علامت لگائے گئے ہیں۔ الفاظ پر اعراب بھی لگائے گئے ہیں۔

مولوی عبدالحق نے جب باغ و بہار کو مرتب کیا تو انھوں نے ڈنکن فاربس کے نسخے پر متن کی بنیاد رکھی۔ مولوی عبدالحق نے اس کے مقدمے میں یہ ثابت کیا کہ میر امن نے نوطرزِ مرصع کو سامنے رکھا۔ انھوں نے باغ و بہار کی اہمیت اور نثر کی خوبیوں اور محاسن کی نشاندہی کی۔

متن کی وضاحت کے لیے تین ضمیمے متن کے آخر میں شامل کیے گئے ہیں۔

ضمیمہ ایک میں اختلافِ نسخ، تشریح طلب مقامات کی وضاحت، اشخاص، مقامات اور عمارتوں سے متعلق ضروری معلومات اور انتساب اشعار شامل ہیں:

دوسرا ضمیمہ تلفظ اور اِملاء کے مباحث سے متعلق ہے۔

تیسرا ضمیمہ افعال، الفاظ اور طریقۂ استعمال پر مبنی ہے۔

مفصل فرہنگ کو شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔ آخر میں اِشاریہ ہے۔

اس کے آخر میں آٹھ صفحات کا عکس بھی شامل ہے۔ پانچ صفحات باغ و بہار اشاعت اوّل (نسخہ ک) سے ہیں۔ دو صفحے ہندی مینول سے ہیں اور ایک صفحہ گنج خوبی بہ خط میر امن کے مخطوطے کے عکس پر مشتمل ہے۔

شان الحق حقی نے رشید حسن خان کو ''اُردو میں اصول تدوین کا مجدد'' اور گیان چند جین نے ''خدائے تدوین'' کہا ہے۔ گیان چند جین فسانۂ عجائب اور باغ و بہار کی تدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

یہ کتابیں تدوین کا ایسا بیش بہا خزینہ ہیں جن میں لامتناہی دولت چھپی ہوئی ہے۔ میرے نزدیک ایسی کتاب تیار کرنے کے لیے پندرہ بیس سال کا عرصہ درکار ہے۔ ان میں سے ہر کتاب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے لیے ایک سال کی مدت چاہیے کیونکہ ان کے ضمیموں میں جو معلومات بھر پڑی ہیں انھیں پرکھنے اور ان کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے عمرِ عزیز کا ایک موقر حصہ نذر کرنا ہوگا۔(۳۲)

خاں صاحب کی مرتبہ کتابوں کی مکمل فہرست فصلِ اوّل میں درج کی گئی ہے۔ ان کتابوں کی تدوین میں بھی رشید حسن خاں نے انھی اصولوں پر عمل کیا جو ''فسانۂ عجائب'' اور ''باغ و بہار'' کے لیے اپنائے، یہی اصول خان صاحب کی ادبی ریاضت اور علمی صداقت کا بین ثبوت ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ رشید حسن خان: ''ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ''، ص ۹

۲۔ ایضاً، ص ۱۰ ۳۔ ایضاً، ص ۲۱ ۴۔ تفہیم، ص ۱۰۸

۵۔ ''ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ''، ص ۲۴ ۶۔ ''تفہیم'': ص ۱۲۷

۷۔ ''ادبی تحقیق ــــ مسائل اور تجزیہ''، ص ۱۴

۸۔ حافظ صفوان محمد چوہان: ''رشید حسن خان صاحب اور عصری دانش کی مشارکت''، مشمولہ مخزن، لاہور، شمارہ مسلسل ۱۱، ۲۰۰۶ء، جلد ۶، شمارہ ۱، ص ۴۸

۹۔ ''کتاب نما''، ص ۳۶ ۱۰۔ ''فسانۂ عجائب''، مقدمہ، ص ۲۲

۱۱۔ مخزن، ص ۴۹ ۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ''اُردو میں اصولِ تدوین کا مجدد'' کتاب نما، ص ۵۹

۱۴۔ ''ظفر احمد صدیقی''، کتاب نما، ص ۱۱۶

۱۵۔ ''گیان چند''، ایضاً، ص ۶۷ ۱۶۔ ایضاً ۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ''فسانۂ عجائب''، مقدمہ، ص ۶۵۔۶۹ ۱۹۔ مقدمہ، ص ۱۰۲ ۲۰۔ گیان چند، ص

۲۱۔ شان الحق حقی، کتاب نما، ص ۵۹ ۲۶۔ گیان چند: ''کتاب نما''، ص ۷۱

۲۷۔ ایضاً ۲۸۔ مقدمہ باغ و بہار، ص ۱۷

۲۹۔ گیان چند، ص ۷۲ ۳۰۔ مقدمہ باغ و بہار، ص ۵۱

۳۱۔ گیان چند، ص ۷۲ ۳۲۔ گیان چند: ''کتاب نما''، ص ۷۳